علی گڑھ کیوں خوابیدہ ہے؟

راشد شاز

futureislam@gmail.com

علی گڑھ ایک ایسے مدرسۂ فکر کا نام ہے جو انتہائی مشکل حالات میں راستہ بنانے اور آگے بڑھنے کا فن سکھاتا ہے۔ مغلیہ سلطنت کی تباہی کے بعد علی گڑھ نے اسلامیان ہند کے کارواں کو از سرنو منظّم کرنے اور اسے ایک نئی توانائی عطا کرنے میں اگر کمال فن کا مظاہرہ کیا تو اس کے پیچھے دراصل سید احمد کی معاملہ فہمی، نبض شناسی بلکہ کہہ لیجئے کہ وہ پیمبرانہ بصیرت تھی جس نے انہیں سخت حالات میں بھی ہمت ہارنے کے بجائے دشمنوں کے دلوں پر دستک دینے کی جرأت اور ہمت عطا کی۔ سرسید نے تقدس اور عقیدت کے بجائے عقل اور تجزیہ پر زور دیا اور اس خیال کے پرزور وکیل بن گئے کہ جو بات عقل کے خلاف ہو وحی بھی اس کی حمایت نہیں کرسکتی۔ آگے چل کر پے بہ پے واقعات نے اس عقلی رویہ کی مزید توثیق کردی کہ دشمن کی کچلتی روندتی فوجوں کا راستہ ختم خواجگان اور ختم بخاری کے ذریعہ نہیں روکا جاسکتا۔

علامہ اقبال شاید وہ پہلے آدمی ہیں جنھوں نے برملا اس بات کا شکوہ کیا ہے کہ ہندوستانی علماء کی تنگ نظری، ان کا دقیانوسی طرز فکر اور زمینی حقائق سے ان کا رشتہ منقطع ہوجانے کے سبب وہ سرسید کی عبقریت کا صحیح اندازہ لگانے میں ناکام رہے اور ان کی مخالفت پر اتر آئے۔ لیکن اس کے باوجود یہ بات بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ کالج کے قیام کے بعد برصغیر ہندوپاک میں مسلمانوں نے جو کچھ بھی کیا ہے اس پر سرسید کے فکر وعمل اثرات خاصے گہرے ہیں۔ ابتداء سے ہی علی گڑھ میں وقت کے بہترین دماغ جمع رہے جن کی شرکت کے بغیر ہمارے قافلہ ملی کا کوئی سفر خیال عبث سمجھا گیا۔ خلافت موومنٹ سے لے کر قیام پاکستان تک علی گڑھ کو ہندوستانی مسلمانوں کے دل ودماغ کی حیثیت حاصل رہی۔ البتہ آزادی کے بعد ایک بڑا عرصہ اس ادارے پر ایسا بھی گزرا جب وہ محض کسی چراغ مفلس کی طرح ٹمٹماتا رہا۔ لیکن یہ صرف علی گڑھ کی کیفیت نہ تھی بلکہ بچے کچھے تمام ہی ہندوستانی مسلمانوں پر محرومی اور مایوسی کی یہی کیفیت طاری تھی۔ مولانا ابوالکلام آزاد جیسے مضبوط اعصاب کے لیڈر بھی تقسیم ہند کے غیر متوقع سانحہ سے خود کو کبھی ہم آہنگ نہ کرپائے۔ سچ پوچھئے تو منقسم ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے مولانا کی جھولی میں کوئی واقعی اسکیم نہ تھی۔ ایک طویل عرصہ تک علی گڑھ پر خوابیدگی طاری رہی اور ہندوستانی مسلمانوں کا ملی کارواں بے سمتی کا شکار رہا۔ قیادت کے اس خلا میں ۱۹۷۲ء میں جب بعض بزرگوں نے پرسنل لا کے تحفظ کے لئے ایک فورم بنانے کا اعلان کیا اس وقت کسی کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ ان کا یہ قدم گویا اسلامیان ہند کی از سرنو شیرازہ بندی سے عبارت ہے۔ اس وقت طبقہ علماء کی اس کوشش کو خالصتاً ایک مذہبی معاملہ کے طور پر دیکھا گیا اور بس۔ قیادت کی کرسی جب بھی خالی رہی۔ البتہ شاہ بانو قضیہ میں دین وشریعت کے نام پر جس طرح جذباتی انداز سے عوامی تحریک چلائی گئی اس نے پرسنل لا بورڈ کو ایک ملک گیر ملی فورم کی حیثیت عطا کردی۔ منقسم ہندوستان میں یہ پہلا تجربہ تھا جس نے ہمیں یہ باور کرایا کہ مسلمان اس گئی گزری حالت میں بھی اگر متحد ہوجائیں تو اپنا وزن محسوس کراسکتے ہیں۔ دوسری طرف اس تجربہ نے بہت سے حوصلہ مندوں کو یہ راستہ بھی دکھایا کہ جذباتی نعرے اگر مذہبی علامتوں سے مرصع ہوں تو یہ ایک ہیجان انگیز عوامی تحریک کو جنم دے سکتے ہیں۔ آگے چل کر بابری مسجد کی تحریک نے بہت سی نئی قیادتوں کو جنم دیا لیکن ساتھ ہی یہ بھی ہوا کہ سقوط مسجد کے سانحہ کے ساتھ ہی نئی قیادتیں بھی منہدم اور مشتبہ ہوگئیں بلکہ بہت دنوں تک عوام کو منھ دکھانے کے قابل نہ رہیں۔

بابری مسجد کے انہدام کے بعد مبہم جو قائدین نے پرسنل لا بورڈ کے دامن میں پناہ لی۔ حالانکہ بورڈ کے قائدین بار بار یہ کہتے آئے تھے

کہ بورڈ صرف محدود مقاصد کے لئے قائم کیا گیا ہے، بڑے ملکی اور سیاسی معاملات اس کے دائرہ کار سے باہر ہیں۔ بابری مسجد جیسے مسئلہ کی شمولیت کے بعد بورڈ پر علماء کی قدسی لباسی کے جلو میں مختلف سیاسی پارٹیوں سے وابستگی رکھنے والے مہم جو عناصر کا پر قبضہ ہوگیا۔ دریں اثناء یہ پروپگنڈہ تیز ہوتا گیا کہ بورڈ ہندوستانی مسلمانوں کا واحد، معتبر بلکہ کہہ لیجئے کہ مقدس فورم ہے جس پر کلام کرنا گویا قاتل ایمان اور واصل جہنم ہونا ہے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ مقدس گائے پر سوار ہو کر کچھ لوگ ایک بار پھر دین وشریعت کے حوالہ سے ہندوستانی مسلمانوں کو ایک ہذیانی کیفیت میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں۔ موجودہ حکومت کے لئے جس کا گراف مسلسل نیچے گرتا جارہا ہے، جو اپنے داخلی اختلافات اور پے بہ پے اسکینڈل کے سبب عوامی اعتماد کھوتی جارہی ہے، اس کے لئے اس سے اچھی بات اور کیا ہوگی کہ مسلمان اس کے خلاف سڑکوں پر نکل آئیں اور مسلمانوں کے اس جارحانہ تیور سے سادہ لوح ہندو عوام پھر سے بی جے پی خیمے میں جمع ہو جائیں۔ ہم اس اقدامی عمل کو محض نئے قائدین کے جوش وخروش سے تعبیر کرتے اور ان کے اس قدم کو محض اسٹریٹجی کی لغزش پر محمول کرتے اگر نئے قائدین، جنھوں نے بورڈ کو یرغمال بنانے میں کامیابی حاصل کر لی ہے، اپنی جہادی نوراکشتی کے لئے پہلے سے ہی معروف نہ ہوتے۔ یہ حضرات دین وملت کی خواہ کتنی ہی دہائی کیوں نہ دیں ان کے دامن پر مختلف سیاسی پارٹیوں سے وابستگی کے بدنما داغ ہیں، ان کے جہاد کا نتیجہ حزیمت اور پسپائی کے علاوہ اور کچھ نہیں:

نہ خنجر اٹھے گی نہ تلوار ان سے　　　یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

ہندوستانی مسلمان چہار جانب سے اپنوں اور غیروں کے نرغے میں ہیں۔ وہ مزید کسی مہم جوئی کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ انھوں نے بڑی خاموشی سے تعلیمی میدان میں کچھ سبقت کی ہے لیکن دہشت گردی کے جھوٹے الزامات نے آج بھی ان کے نوجوانوں کا راستہ روکا ہوا ہے۔ انہیں بہت سوچ سمجھ کر نئی حکمت عملی ترتیب دینا ہوگی۔ ضرورت تو اس بات کی ہے کہ علی گڑھ کے ارباب حل وعقد بسم اللہ کے خودساختہ گنبد سے باہر آکر ملت کے سرد وگرم میں اس کے شریک وسہیم ہوں۔ آج بھی علی گڑھ مسلم دانش وری کا اہم مرکز ہے۔ دنیا کے مکروفریب کو سمجھنے والے، اغیار کی سازشوں اور ان کے سازشی دستاویزات کا راست مطالعہ کرنے والے اتنے بہت سارے مسلم دماغ ہندستان کے کسی دوسرے شہر میں آج بھی موجود نہیں ہیں۔ محض قدسی لباسی موجودہ صورت حال میں قیادت کی متحمل نہیں ہوسکتی۔ یہ بات میں اس لئے بھی کہہ رہا ہوں کہ قدسی لباسی میں تحلیل وتجزیے اور نقد وجرح کا کوئی موقع نہیں ہوتا۔ اور آج ضرورت ہے تحلیل وتجزیے اور مسلسل سوچتے رہنے کی۔ جب تک ہم قیادت پر احتسابی نگاہ ڈالنے کی پوزیشن میں نہیں ہوتے اور جب تک کھلے مکالمہ کی ایک ایسی صورت حال پیدا نہیں ہوتی جہاں ایک بدوی عورت حضرت عمر جیسے عظیم قائد پر برسر مجلس اعتراض وارد کر سکے، ایک مؤثر اور کارگر اسٹریٹجی کی تشکیل کا خیال عبث ہے۔ یہ بات بھی غور کرنے کی ہے کہ بورڈ کے بزرگ قائدین ہوں یا آمادۂ جہاد' نوجوان' قیادت، یہ سب کے سب بنیادی طور پر کسی مدرسہ کے مہتمم، اس کے ناظم یا ان درس گاہوں میں کسی نہ کسی فن کے استاد ہیں۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ ان کی آراء کو تو تحلیل وتجزیے سے ماوراء سمجھا جائے اور ہم انہیں تقدس کے ہالہ میں گھرا دیکھیں اور اس کے برعکس علی گڑھ کا وائس چانسلر اور اس کے اساتذہ صرف آسمانی لباس ترک کرنے کے سبب اپنے علم وفضل کے باوجود اس شرف واعزاز سے محروم سمجھے جائیں۔ رہی بات مفروضہ روحانیت کی تو ہمیں اس حقیقت کے اظہار میں تکلف سے کام نہیں لینا چاہیے کہ پیری مریدی اور بیعت واردت کا جو مذموم کاروبار ان اداروں میں چل رہا ہے اور جس کے سبب مریدین کے دل ودماغ ماؤف ہو کر رہ گئے ہیں، تو اس مکروہ، غیر شرعی عمل پر عقل اور شرع سے کوئی دلیل نہیں لائی جاسکتی۔